© rasailojaraid.com

اخبارِ اُمت

فرانس میں اسکارف پر پابندی

عبدالغفار عزیز°

فرانس کو روشنیوں، خوشبوؤں، فنون اور آزادی کا ملک کہا جاتا ہے۔ عراق پر امریکی جارحیت کے خلاف آواز اٹھا کر، عالمی سیاست میں بھی فرانس اور جرمنی نے اپنا علیحدہ تشخص قائم کرنے کی کامیاب کوشش کی۔ فرانس میں مسلمانوں کی تعداد یورپ میں سب سے زیادہ ہے۔ یورپ میں مقیم ۲ کروڑ مسلمانوں میں سے ۶۰ لاکھ صرف فرانس میں رہتے ہیں، ۳۰ لاکھ جرمنی میں اور تقریباً ۲۰ لاکھ برطانیہ میں۔ فرانس میں زیادہ تر مسلم آبادی شمال مغربی افریقی ممالک الجزائر، تیونس، مراکش اور چند دیگر افریقی ممالک سے آکر بسی ہے۔

مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پندرھویں اور سولھویں صدی میں ہی فرانس منتقل ہوگئی تھی۔ ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد اندلس میں ان کا جینا دوبھر کر دیا گیا تو ۳ لاکھ افراد ملک بدری پر مجبور ہو گئے، جب کہ اس سے کئی گنا بڑی آبادی شہید کر دی گئی۔ گذشتہ صدی کے آغاز میں سمندر پار پڑوسی ممالک پر فرانسیسی استعمار، منظم ثقافتی حملوں اور قربِ مکانی کی وجہ سے بھی ان ممالک سے بڑی تعداد میں لوگ فرانس جا بسے۔ عالمی جنگوں کے خاتمے کے بعد فرانس کی تعمیرِ نو کے لیے مطلوب افرادی قوت بھی زیادہ تر یہیں سے حاصل کی گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دورِ حاضر میں فرانسیسی مسلمانوں کی اکثریت وہاں صرف مہاجرت نہیں بلکہ شہریت اور برابری کی قانونی حیثیت رکھتی ہے۔ ۱۹۱۷ء میں فرانس میں پہلی باقاعدہ اسلامی کونسل بنی۔ ۱۹۲۶ء میں اس نے بڑی پیرس مسجد بنائی۔ ۱۹۸۲ء میں ایک قانون کے ذریعے مسلمانوں کو اپنی تنظیمیں اور ادارے رجسٹرڈ کروانے کی باقاعدہ اجازت دے دی گئی اور اب وہاں بڑی تعداد میں مسلم ادارے تعلیمی، ثقافتی، علمی اور تربیتی سرگرمیاں انجام دے رہے ہیں۔

مسلمانوں اور فرانس کے تعلقات کی پوری تاریخ میں یہ پہلو اہم ترین رہا ہے کہ انھیں کیونکر فرانسیسی تہذیب و ثقافت میں ڈھالا جائے۔ عہد استعمار میں الجزائر اور پڑوسی ممالک ان کوششوں کا بنیادی ہدف رہے۔ عربی زبان کو عرب ممالک میں اجنبی بنانے کی کوشش کی گئی۔ لباس و طعام یکساں کر دیے گئے اور ہر طرف فرانسیسی تہذیب غالب ہوتی چلی گئی۔ فرانس کے اندر بھی یہ کش مکش جاری رہی لیکن نرمی اور خاموشی سے۔ اکثریت اس بات کو اپنا فطری حق سمجھتی ہے کہ اپنی تہذیب و ثقافت اقلیت کی زندگی میں غالب کر دے۔

فرانسیسی مسلمانوں نے پورے اخلاص و محنت سے فرانس کی تعمیر میں حصہ لیا، فرانس کے قوانین کا احترام کیا اور فرانس کے قومی مفادات کو اپنے مفادات سمجھا۔ فرانس کے سیکولر قوانین نے ہر شہری کو دینی و اعتقادی آزادی کی ضمانت دی۔ بعض اوقات ایسا ہوا کہ کسی فرد یا ادارے نے کسی مسلم فرانسیسی کی آزادی مذہب کو مقید کرنا چاہا تو خود اعلیٰ سطحی حکومتی ذمہ داروں نے مداخلت کرتے ہوئے ان رکاوٹوں کو دُور کر دیا۔ ۱۹۸۹ء اور پھر ۱۹۹۲ء میں جب بعض طالبات کو حجاب، یعنی اسکارف سے منع کرنے کی کوشش کی گئی تو عدلیہ کے اعلیٰ ترین ادارے اسٹیٹ کونسل نے یہ فیصلہ دیا کہ ''دینی شعائر کا التزام ریاست کے سیکولر نظام سے متصادم نہیں ہے''۔

حال ہی میں سابق فرانسیسی وزیر برنر ستازے کی زیرصدارت تشکیل پانے والی کمیٹی نے یہ کہتے ہوئے تمام سرکاری تعلیمی اداروں میں حجاب پر پابندی لگا دی ہے کہ ہم کوئی بھی دینی علامت لے کر مدارس میں آنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اس طرح مسلم طالبات کے حجاب، عیسائیوں کے صلیب کے نشان اور یہودیوں کی مختصر ٹوپی کیپا، تعلیمی اداروں میں ممنوع قرار دے دیے گئے ہیں۔ صدر شیراک نے تیونس کے ایک مدرسے کا دورہ کرتے ہوئے بیان دیا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہ مکمل سیکولر فرانسیسی حکومت طالبات کو اجازت نہیں دے سکتی کہ وہ اپنے ہدایت یافتہ ہونے کا اعلان کرتی پھریں۔ حجاب میں جارحیت کی جھلک دکھائی دیتی ہے"۔ انھوں نے کہا کہ "فرانس میں مسلمانوں کی اکثریت سے ہمیں کوئی شکوہ نہیں ہے اور ہماری حکومت فرانس ہجرت کر جانے والوں کو اپنے ماحول ومعاشرے میں ڈھالنے کی پوری سعی کر رہی ہے۔ لیکن ظاہری دینی علامتوں اور دوسروں کو کھلم کھلا اپنے دین کی طرف بلانے کی اجازت نہیں دے سکتے"۔ اس سے پہلے فرانسیسی وزیراعظم جان پیررافاران بھی کہہ چکے تھے کہ "سرکاری اسکولوں میں حجاب کو بہر صورت مسترد کر دینا چاہیے"۔

برنرسٹازے کمیٹی نے ۱۱ دسمبر ۲۰۰۳ء کو اپنی رپورٹ میں ایک طرف تو دینی "علامت" قرار دیتے ہوئے حجاب کو ممنوع قرار دے دیا۔ ساتھ ہی مسلمان کمیونٹی کے لیے عیدالاضحیٰ اور مسیحیوں کے لیے عید غفران کو سرکاری چھٹی قرار دینے کی سفارش کی تاکہ مذاہب کی آزادی کا تاثر باقی رہے۔

یہ سفارشات تیار کرتے اور حکومت کی طرف سے انھیں منظور کرتے ہوئے جس بڑی حقیقت کو فراموش کرنے کی کوشش کی گئی وہ اسلام میں حجاب کی حیثیت و اہمیت ہے۔ فرانسیسی حکمران یقیناً جانتے ہوں گے کہ اسلامی حجاب، مسیحی صلیب یا یہودی کپا کی طرح کوئی علامت نہیں، خالق کی طرف سے قرآنِ کریم وسنت نبویؐ میں دیا جانے والا صریح حکم ہے۔ مسلمانوں میں یہ فقہی اختلاف تو رہا ہے کہ حجاب کی کیفیت وحدود کیا ہوں، چہرے کو ڈھانپا جائے یا چہرہ و ہاتھ کھلے رکھتے ہوئے باقی پورا جسم ڈھانپا جائے، لیکن کوئی بھی مسلمان اس امرِ قرآنی کا انکار نہیں کرسکتا کہ وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوۡبِهِنَّ ۖ (النور ۲۴:۳۱)، خواتین اپنی چادریں (سر کے علاوہ) اپنے سینوں پر بھی ڈالے رکھیں۔

اس حیرت ناک فیصلے کا دفاع کرتے ہوئے مختلف فرانسیسی ذمہ داران کی طرف سے مختلف مضحکہ خیز تاویلات سامنے آئیں۔ کبھی کہا گیا: "طالبات کو ان کے گھر والوں کی طرف سے حجاب پر مجبور کیا جاتا تھا، انھیں اس جبر سے نجات دلانا مقصود ہے"۔ کبھی کہا گیا: "خواتین و مرد برابر ہیں۔ حجاب سے مرد و زن میں تفرقہ رواج پاتا ہے"۔ کبھی کہا گیا: "مذہبی تفریق کو بلاتفریق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ختم کر دیا گیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں پر بھی پابندی عائد ہوئی ہے''۔ لیکن ان تمام تاویلوں کا بوداپن خود یہ تاویلیں پیش کرنے والوں کو بھی بخوبی معلوم ہے۔ اگر صلیب و کیپا کے ساتھ ہلال و ٹوپی کا تقابل ہوتا تو شاید اتنی حیرت نہ ہوتی لیکن یہاں تو سارے کا سارا ہدف ہی مسلمان ٹھیرے کہ وہ اپنے رب کا حکم مانیں یا فرانسیسی حکومت کا۔

سابق وزیر تعلیم کلوڈ الاجر نے اس فیصلے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ''سیکولرازم کو اسلام کے مطابق نہیں ڈھلنا' اسلام کو فرانسیسی سیکولرازم کے مطابق ڈھلنا ہوگا''۔ اسی طرح کی ایک بات ۱۶۰۰ عیسوی میں پیڈرو فرانکیزا نے اپنے آقا شاہ فلپ سوم سے اپنی سفارشات میں کہی تھی۔ اس نے کہا تھا: ''ہمیں ہر ممکنہ اقدامات کرتے ہوئے مسلمانوں کو اس بات سے روکنا ہوگا کہ وہ اپنے مُردوں کو اپنے دینی رواج کے مطابق دفن کریں۔ ہمیں ان کی زبان' ان کا مذہبی لباس' حلال گوشت پر ان کا اصرار' ختم کرنا ہوگا۔ ان کی مساجد و مدارس اور حمام ڈھا دینا ہوں گے''۔ لیکن جب ان سفارشات پر عمل درآمد کروانے کی ہر ممکن کوشش کرنے کے بعد بھی انھیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو اسی فرانکیزا نے دوبارہ لکھا: ''ان مسلمانوں سے خیر کی اُمید نہیں۔ یہ موت قبول کرلیں گے' اپنی دینی روایات نہیں چھوڑیں گے''۔

حالیہ فرانسیسی فیصلے کا تجزیہ کرتے ہوئے لاتعداد تجزیے لکھے گئے ہیں لیکن ہالینڈ سے ایک عرب تجزیہ نگار یحییٰ ابوزکریا کا یہ تبصرہ اہم ہے کہ ''فرانس میں اتنی بڑی مسلم آبادی ہے کہ ان کی خواتین کے مقدس وعفیف حجاب نے فرانس کے عریاں وفحش کلچر کو خطرے میں ڈالنا شروع کر دیا تھا''۔ جیسے جیسے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گھیرا تنگ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے' ان میں اور خود غیر مسلموں میں بھی اسلامی تعلیمات سے آگاہی کا شعور بڑھتا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں خود مغرب میں جنم لینے اور پرورش پانے والے مغربی مسلمان نوجوان مغرب کے لیے بڑا سوالیہ نشان بن گئے ہیں۔ یہ نوجوان انھی کی زبان' انھی کی اٹھان رکھتے ہیں۔ اپنے قانونی و اخلاقی حقوق و فرائض سے آگاہ ہیں' شراب و شباب کی غلاظت سے محفوظ ہیں اور اپنے دین کو ہر چیز سے زیادہ قیمتی ومقدس سمجھتے ہیں۔ اس نسل کو اس ''متشدد دینی سوچ'' سے بچانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اس عجیب فرانسیسی فیصلے پر مختلف اطراف کا ردعمل بھی عجیب تھا۔ صدر بش نے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کے خلاف پالیسیوں کے سرخیل ہیں، اسکارف کے حق میں بات کی اور کہا کہ مسلم خواتین کو یہ حق ملنا چاہیے کہ اپنے مذہب کے مطابق سر پر اسکارف رکھ سکیں۔ امریکہ میں بھی اس کی آزادی ہے۔ دوسری طرف عالمِ اسلام کے تاریخی مرجع جامعہ الازھر کے سربراہ محمد سید طنطاوی نے ارشاد فرمایا: ''اسکارف کے خلاف احکامات فرانس کا اندرونی مسئلہ ہے، ہم مداخلت نہیں کرسکتے۔ فرانس کو اپنی مرضی کے مطابق قانون سازی کا حق ہے۔ جو مسلمان خواتین فرانس میں رہتی ہیں وہ اضطرار کی حالت میں اسکارف چھوڑ سکتی ہیں''۔ البتہ جامعہ الازھر کے باقی علماے کرام اور خود مفتی مصر نے دوٹوک الفاظ میں کہا: ''حجاب صریح حکم خداوندی ہے۔ کوئی علامت یا اختیاری امر نہیں۔ مخلوق میں سے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ خالق کے حکم سے متصادم احکام جاری کرے، یا ان پر عمل درآمد کرے۔ یہی موقف مغرب و مشرق میں مسلم اکثریت کا ہے۔ ۱۷ جنوری ۲۰۰۴ء کو یورپ کے اکثر اور لبنان، مصر، اُردن، ترکی، عراق سمیت متعدد ممالک میں ہزاروں خواتین کے مظاہروں اور اجتماعات میں اس موقف کا اعادہ کیا گیا۔

۱۱ دسمبر کو برنر سٹازے کمیٹی کی رپورٹ سامنے آنے سے پہلے صدر شیراک نے ۳ سے ۵ دسمبر کو تیونس کا دورہ کیا اور تیونس میں حجاب پر پابندی کی توصیف و ستایش کی۔ فرانسیسی اخبارات نے ''بے پردہ تیونس'' کے عنوان سے بڑی بڑی سرخیاں سجاتے ہوئے فرانس کے کئی علاقوں میں یہ اخبار مفت تقسیم کیا۔ واضح رہے کہ تیونس ایسا اکلوتا مسلم ملک ہے جہاں کے دستور میں اسکارف پر پابندی (شق ۱۰۸) ہے۔ سر پر اسکارف رکھنے والی خواتین کو تعلیم، ملازمت حتیٰ کہ علاج کے حق سے بھی محروم کردیا جاتا ہے۔ ترکی میں بھی یہ مسئلہ گمبھیر ہے لیکن وہاں یہ پابندی دستور میں نہیں، اعلیٰ تعلیمی کونسل کے احکامات کے طور پر لاگو ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام تر پابندیوں، تعذیب اور سزاؤں کے باوجود ان دونوں ممالک میں بھی اسکارف رکھنے والی خواتین کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ حکمران اس اضافے پر حیران و ششدر ہیں۔ فرانس میں یہ پابندی لگنے کے بعد وہاں بھی اس تعداد میں اضافہ ہونے لگا ہے۔ عام مسلمانوں کے دل میں یہ احساس قوی تر ہوا ہے کہ فرانس میں لگنے والی اس پابندی کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرلیا گیا، تو یہ وبا دیگر مغربی ممالک میں بھی پھیلتی چلی جائے گی۔ اب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بلجیم سے بھی یہ صدا اٹھی ہے کہ پاسپورٹ اور شناختی کارڈوں کی تصویر میں تمام خواتین کا ننگے سر ہونا ضروری ہے۔ فرانس میں اس پابندی پر احتجاج اس متعدّی مرض کو پھیلنے سے روکنے کی ایک لازمی تدبیر بھی ہے۔

لیبیا کی حیرت انگیز پسپائی

محمد نجم الدین

ایٹمی ہتھیار بنانے کے منصوبے سے لیبیا کی پسپائی کا اعلان گذشتہ ماہ کی سب سے بڑی خبر بنا رہا اور امریکہ نے بجا طور پر اسے اپنی فتح قرار دیا۔ کرنل قذافی کا امیج عالمِ اسلام میں ایک دم مجروح ہو کر کاغذی شیر کی سطح پر آ گیا۔ البتہ مغرب میں انھیں کچھ خیرسگالی حاصل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ اس فیصلے کے پیچھے کرنل قذافی کا اتنا زیادہ ہاتھ نہیں جتنا کہ ان کے بیٹے سیف الاسلام قذافی کا ہے۔ خود سیف الاسلام نے برطانوی اخبار کو انٹرویو میں بتایا کہ انھوں نے ہی اپنے والد کو قائل کیا تھا۔ ممکن ہے قذافی اپنا امیج بچانے کی خاطر یہ تاثر دے رہے ہیں کہ فیصلے کا کریڈٹ یا ڈس کریڈٹ ان کے بیٹے کو جاتا ہے' تاہم مغربی میڈیا کی یہ اطلاعات قابلِ غور ہیں کہ فیصلہ راتوں رات نہیں ہوا بلکہ مغرب کے ساتھ سفارت کاری کا عمل کئی ماہ سے جاری تھا۔

آمر حکومتیں ہمیشہ غیرملکی دباؤ کے مقابلے میں پسپا ہو جاتی ہیں۔ اندرونِ ملک انھیں عوامی طاقت کا سہارا نہیں ہوتا چنانچہ انھیں ڈھیر ہونا ہی پڑتا ہے۔ لیبیا پر عالمی دباؤ تو لاکربی طیارے کے حادثے کے وقت سے ہی چلا آ رہا ہے لیکن ماضی میں سوویت یونین موجود تھا' اس لیے ۱۹۹۰ء میں اس کے انہدام تک لیبیا نے آسانی سے اس دباؤ کا مقابلہ کر لیا۔ ۹۰ء کے بعد کے حالات اس طرح کے ہوئے کہ لیبیا پر زیادہ توجہ نہ رہی۔ پہلے عراق کی جنگ چھڑی۔ پھر امریکی توجہ کا مرکز فلسطین رہا۔ سعودی عرب کے اندرونی مسائل بھی امریکی توجہ کھینچتے رہے۔ اسی دور میں بلقان کا مسئلہ اُبھرا اور کلنٹن دورِ حکومت میں امریکہ کی سب سے زیادہ توجہ اسی طرف

© rasailojaraid.com